قرآنی صنائع و بدائع

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ

اسلام نے دنیا کو بے شمار نعمتیں اور بکثرت علوم و فنون عطا کئے کہ دنیا ان سے پہلے آشنا بھی نہ تھی۔ خود قرآن ایک چیلنج پیش کرتا ہے کہ:

وان كنتم فى ريب مما نزلنا علىٰ عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهدآءكم من دون الله ان كنتم صدقين o

ترجمہ: "اور اگر تم شک میں ہو اس سے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو بنا لاؤ اس جیسی کوئی سورت اور لے آؤ اپنے گواہ، اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو)۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قل لئن اجتمعت الانس والجن علىٰ ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا ياتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا o

ترجمہ: "آپ فرمادیں کہ اگر انسان اور جن اس بات پر اتفاق کرلیں کہ اس قرآن جیسی کتاب بنائیں تو نہیں بنا سکتے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کی وجہ سے ہر طرح بے مثل ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سبعہ معلقات والے شعراء اور ادبا بھی اس کے متعلق ماھذا قول البشر (یہ انسان کا کلام نہیں ہے) کہنے پر مجبور تھے۔ قرآن کے طفیل میں ادبی لطافت اور عذوبت میں خود عربی ادب میں جلا پیدا ہوئی اور بکثرت قرآنی بحور مقبول ہوئے۔ دیکھئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بحر سریع میں ہے اور مفتعلن مفتعلن فاعلات اس کا وزن ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ قال فما خطبک یا سامری بھی اسی

وزن میں ہے۔ بحر عربی اور بالخصوص فارسی میں بکثرت مثنویاں یعنی نظامی، جامی، فیضی وغیرہ نے اسی بحر میں طویل مثنویاں لکھیں۔ انا اعطینک الکوثر ۔ بحر متدارک میں ہے۔ یعنی فعلن، فعلن، فعلن، فعلن۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا ۔ بحر رمل میں ہے۔ یعنی فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن ۔ اس بحر میں بھی بہت سی مثنویاں لکھی گئیں۔ فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر ۔ بحر طویل میں ہے۔ یعنی فعولن، مفاعیلن فعولن، مفاعیلن۔ واملی لھم ان کیدی متین۔ بحر متقارب میں ہے یعنی فعولن، فعولن، فعولن، فعول۔ تاللہ لقد اثرک اللہ علینا، یہ بحر ہزج میں ہے۔ یعنی مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعولن۔ یوم التناد یوم تولون مدبرین اس کا وزن ہے۔ مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلان۔ لیقضی اللہ امراً کان مفعولا کا وزن مفاعلن، فاعلن، مستفعلن، فعلن ہے۔ واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم o کا وزن مستفعلن مستفعلن، متفاعلن، مستفعلان ہے۔

قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کی مقبولیت کی وجہ سے اس آہنگ کا رواج عام ہوا اور عربی، ترکی، فارسی وغیرہ زبانوں میں ان بحور کا استعمال اس قدر مقبول ہوا کہ بڑے سے بڑا شاعر بھی ان کے استعمال کو اپنے لئے بلکہ ادب کے لئے بہت بڑی نعمت سمجھتا تھا۔

بحر نثر کے مرصع اسلوب کی تعمیر و تشکیل میں بھی قرآن پاک کی برکات نظر آتی ہیں:

(۱) مرجز (۲) مسجع یعنی مقفیٰ اور (۳) عاری

(۱) مرجز وہ نثر ہے جس میں دو فقروں کے اکثر کلمات ہم وزن ہوں۔ اس میں قافیے کی پابندی ضروری نہیں اور اگر یہ پابندی بھی ہو جائے تو نور علیٰ نور۔ قرآن پاک ایسی مرجز نثر سے پُر ہے۔ مثلاً

كلا بل تحبون العاجلة وتذرون الاخرة o وجوه يومئذ ناضرة o الىٰ ربها ناظرة o ووجوه يومئذ باسرة o تظن ان يفعل بها فاقرة o

فارسی میں بھی مرجز نثر ملتی ہے۔ مثلاً: خیال ناظم بے تعلق قامت، دل ربائے ناموزون است وقیاس ناشر بے تمسک کاکل مو میانے نامربوط۔

لیکن مسجع اور مقفیٰ نثر قرآن پاک میں اس شان سے آتی ہے، کہ جو شخص عربی بھی نہیں جانتا، وہ بھی مزے لیتا ہے۔ مثلاً سورہ التکویر اس طرح شروع ہوتی ہے:

اذا الشمس كورت o واذا النجوم انكدرت o واذا الجبال سيرت o واذا العشار عطلت o واذا الوحوش حشرت o واذا البحار سجرت o واذا النفوس زوجت o واذا الموءودة سئلت o باى ذنب قتلت o

مقامات حریری، مقامات حمیدی، اعجاز خسروی، نثر ظہوری، دریائے لطافت کے بھی بعض مقامات ایسی مسجع نثر کی تقلید میں ہیں۔ ان محاسن کے علاوہ صنائع و بدائع کا ایک وافر ذخیرہ قرآنی برکات سے مستفیض ہے۔ قرآن پاک کے ان محاسن کا ایک سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو ایشیا اور بالخصوص اسلامی دنیا کے ادب کا پس منظر صاف طور پر نظر آجائے گا۔ صنائع لفظی میں ایک مشہور صنعت تجنیس ہے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً ایک قسم مزاوجہ ہے کہ الفاظ کے جوڑے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً:

وجزآء سیئة سیئة مثلها فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم

ایک تجنیس تماثل ہے یعنی الفاظ ایک ہی اصل سے تعلق رکھتے ہوں۔ جیسے:

فروحٌ وریحانٌ وجنی الجنتین دانٍ

ایک قسم تجنیس تصحیف ہے جس میں دو الفاظ ایک جیسے لکھے جاتے ہیں لیکن ان کے نقطوں میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً: ان ربهم بهم   ولکنا کنا مرسلین   مذبذبین بین ذلک

تجنیس تصریف ایک صنعت ہے جس میں دو حرفوں کا اختلاف قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ہے جیسے:

وهم ینهون عنه وینئون عنه۔

ایک تجنیس التعدیل کہلاتی ہے کہ دو لفظوں کے شروع، درمیان یا آخر میں کسی حرف کی کمی یا زیادتی ہو جیسے شروع میں کمی یا زیادتی: والتفت الساق بالساق الیٰ ربک یومئذن المساق

ایک لفظ کا درمیانی حرف دوسرے حرف کے آخر میں آئے: (۲) ان تقول فرقت بین بنی اسرآئیل

آخر میں کمی یا زیادتی: (۳) ثم کلی من کل الثمرات

لفظوں کے درمیان میں فرق ہو: (۴) وانه علیٰ ذلک لشهید وانه لحب الخیر لشدید

ایک صنعت قلب یا انقلاب کہلاتی ہے۔ یعنی ایک لفظ کے حروف کو الٹ پلٹ کر کے دوسرا لفظ کر دیا جائے۔ اگر حروف کو ترتیب کے ساتھ پلٹا جائے تو اسے قلب کل کہتے ہیں۔ جیسے برق، قرب، عرش، شرع، بر، رب، نوع، عون وغیرہ۔ اس پلٹنے میں ترتیب ملحوظ نہ ہو تو اسے مقلوب بعض کہتے ہیں جیسے: علم، عمل، کلام، کمال، رحیق، حریق، حامی، ماحی، محروم، مرحوم وغیرہ۔ اگر ایک فقرہ یا مصرع ترتیب حروف کے ساتھ پلٹا جائے تو اسے مقلوب مستوی کہتے ہیں۔ جیسے: نون، تبت، الا، ابا، موہوم وغیرہ۔

کل فی فلک   ربک فکبر

قوامی مطرزی نے مقلوب مستوی میں فارسی میں خوب شعر کہا ہے:

رامش مرد گنج یاری و توش

تو قوی را بجنگ درشمار

فارسی کا یہ فقرہ بھی مشہور ہے:

شکر بترازوے وزارت برک

ایک صنعت طباق کہلاتی ہے یعنی ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو عموماً آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں جیسے:

اولٰئک الذین اشتروا الضلالة بالهدیٰ (البقرہ ۱۶)

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک (المائدہ ۱۱۶)

اومن کان میتاً فاحییناه (الانعام ۱۲۲)

ردالعجز علی الصدر

کسی عبارت کے جزو اول کو صدر اور جزو آخر کو ضرب یا عجز کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ایسی متعدد مثالیں ہیں جہاں عجز کو صدر بنایا گیا ہے۔ مثلاً:

قال انی لعملکم من القالین

وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب

ولقد استهزئ برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منهم ما کانوا به یستهزءُون ۝

انظر کیف فضلنا بعضهم علیٰ بعض وللاٰخرة اکبر درجٰت واکبر تفضیلاً ۝

امیر خسرو کہتے ہیں:

نبود اشب مرا سوز غمزۂ تو تب   دل ارچہ بود ولیکن بدست خویش نبود

ولی کا شعر ہے:

دلربا آیا نظر میں آج میری خوش ادا!

خوش ادا ایسا نہیں دیکھا ہوں دو جا دلربا

صنعت تکرار۔ کبھی کبھی تکرار لفظی سے بھی کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے سورۂ رحمٰن میں فبای اٰلاء ربکما تکذبٰن ۝ کے بار بار آنے سے صوتی حسن اور آہنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح متعدد مقامات ہیں۔ جیسے:

والسابقون السابقون اولٰئک المقربون ۝

الحاقۃ ما الحاقۃ وما ادرٰک ما الحاقۃ ○

القارعۃ ما القارعۃ○ وما ادرٰک ما القارعۃ○

کلا سوف تعلمون○ ثم کلا سوف تعلمون○

فارسی اور اردو میں بھی ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثلاً داغ کا شعر ہے۔

ناروا کہیے ناسزا کہیے۔ کہیے کہیے مجھے بُرا کہیے

صنعت التفات۔ یعنی کوئی بات کہہ کر فوراً معترض کا رد کر دیا جائے، جیسے

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار۔۔۔(البقرہ۔۲۴)

پھر اگر تم نہ کرو اور البتہ نہ کرو گے تو ڈرو آگ سے۔۔۔

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ۔(البقرہ۔۱۹۴)

پھر جس نے زیادتی کی تم پر تم اس پر زیادتی کرو۔

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرنٍ مکنّٰھم فی الارض مالم نمکن لکم(الانعام۔۶)

ترجمہ: ''کیا وہ نہیں دیکھتے کتنی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان کی جماعتیں، ان کو جمایا تھا ہم نے ملک میں، جتنا کہ تم کو نہیں جمایا۔

تجاہل العارف۔ یعنی کوئی بات اس طرح کہی جائے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہو کہ کہنے والا وہ بات نہیں جانتا، حالانکہ وہ جانتا ہے۔ مثلاً

ابشراً منا واحدا نتبعہ(القمر۲۴)

(پھر کہنے لگے کہ) کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا؟ ہم اس کے کہے پر چلیں گے؟)

ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ۔(المائدہ۱۱۶)

(اے عیسیٰ! کیا تو نے کہا تھا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود اللہ کے سوا!

ءانت فعلت ھذا بالھتنا یابراھیم(الانبیاء۶۲)

(بولے) کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں پر اے ابراہیم!)

ما ھذا بشرًا ان ھذآ الا ملکٌ کریم○

(نہیں یہ شخص آدمی، یہ تو کوئی فرشتہ ہے)

السلب والایجاب

(کسی بات کی نفی کر کے پھر کسی بات کے لئے ہاں کہنا)۔

فلا تقل لھما افٍ ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریماً (بنی اسرائیل ۲۳)

(پس تو نہ کہہ ان دونوں کو اُف اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان کو بات ادب کی)

فلا تخشون الناس واخشون ط (المائدہ۔۴۴)

ترجمہ: ''پس نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو''۔

لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون ○ (التحریم۶)

ترجمہ: ''حکم عدولی نہیں کرتے اللہ کی، جو بات ان کو فرمائی گئی اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہو''۔

پھر تشبیہات واستعارات، نیز ان کی اقسام، ان صنائع کے علاوہ ہیں اور ان کے متعلق بکثرت علماء کی کتابیں موجود ہیں۔ اور یہ وہ حقائق ہیں جن کا تعلق صرف حقائق والی کتاب (قرآن) سے ہے اور جس کی فصاحت وبلاغت کا لوہا آج بھی مانا جاتا ہے۔ زورِ بیان، اندازِ بیان، صوت وآہنگ، فنی اور عروضی نکات اسی صحیفۂ مبارک کے طفیل میں بہت سی زبانوں میں جاری ہیں۔ حالانکہ قرآن کا تعلق شعر وادب سے نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر ادب سے اس کی سند لیتے ہی سے مستند بن جاتی ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے کہ: ع نیست ممکن جز بقرآن زیستن

لفظ خدا مجوسی نہیں مسلم ہے

محمد عبدالرحمٰن صدیقی (جاپان)

E-mail: arsiddiqi@yahoo.com

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کی ادارت و نگرانی میں سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی اپریل تا جون ۲۰۰۶ء جلد ۳۔ شمارہ ۹ میں "مسلمانوں پر مجوسی اثرات کے کچھ شواہد" کے عنوان سے محمد عثمان قریشی بمبئی انڈیا کا ایک طویل مضمون شائع ہوا۔ غور سے پڑھنے سے کئی باتیں ذہن میں آئیں، جن پر تبصرہ اور تجزیہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ دوسرے مضمون نگاروں کو بھی اظہار خیال کا مواد ہاتھ آ جائے اور ریکارڈ درست رہے۔

صاحب مضمون محمد عثمان قریشی نے اپنے مضمون کے پہلے ہی صفحہ (77) پر چوتھی سطر میں فرمایا ہے کہ خدا فارسی کا لفظ ہے۔ لکھتے ہیں "کہا جاتا ہے" کہ۔ یہ "کہا جاتا ہے" اس مضمون کی اساس بنایا جا رہا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صاحب مضمون نے کوئی ریسرچ یا تحقیق نہیں کی ہے۔ نہ ہی کسی لغت کا کسی اسکالر، محقق یا زبان داں کا حوالہ دیا ہے۔ اور اس مفروضے پر کہ یہ لفظ "خدا" "مجوسی معبود کا نام" کہا جاتا ہے"۔ اپنا سارا زور صرف فرمایا ہے۔ شروع ہی میں لفظ خدا کو "گمراہی کی دین" بتایا ہے۔ کچھ توازن کی کمی ظاہر ہو رہی ہے اور تحریر میں شوخی جھلک رہی ہے۔

اور آگے صفحہ 78 پر درج فرماتے ہیں "جہاں تک ہم نے معلومات حاصل کی ہیں۔۔۔۔ دنیا کی تمام زبانوں میں ال و کی آوازیں موجود ہیں"۔ وضاحت کے لئے عرض ہے کہ جاپان میں (جہاں میں ایک یونیورسٹی میں تدریس کی خدمت انجام دے رہا ہوں اور اس ملک میں 32 سال سے مقیم ہوں) "ل" یا L ہوتا ہی نہیں اور "و" بھی F+H (ف+ہ) کی آواز دیتا ہے۔ اور "ل" (L) کی جگہ R (ر) استعمال ہوتا ہے۔

اب جاپانی زبان میں لفظ جلالہ یعنی اللہ ALLAH لکھنا چاہیں تو وہ ARRAFV ہو جائے گا۔ اس مشکل کو ہم نے یوں حل کیا ہے کہ اللہ کو (ارّافو) ARRAFU لکھتے ہیں اور لکھے جاتے ہیں ہم یہاں ZETTAI SHA SOZOSHA, YUITSU NO KAMI استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ایک لفظ کے بجائے کئی الفاظ کا مجموعہ۔ اور اس کا مطلب ہوا۔ حاکم مطلق۔ خالق کائنات۔ واحد و لاشریک۔ بے مثال اعلیٰ ترین ہستی۔

زبردستی لفظ ARRAFU کہنے سے نہیں بہتر ہے کہ ایسے الفاظ اور نام استعمال ہوں جو سمجھ میں آئیں۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "دنیا کی تمام زبانوں اور بولیوں میں ال و کی آوازیں موجود ہیں"۔ چینی اور کوریائی زبان کا بھی یہی حال ہے۔ دوسری بات یہ کہ ایک زبان کا کوئی لفظ ہو بہو صد فی صد دوسری زبان میں منتقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور چار و ناچار بلکہ لازماً ایک زبان کا ہم معنی لفظ دوسری زبان میں مقرر کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً انگریزی لفظ PEN کا ترجمہ اردو میں قلم طے کر لیا گیا ہے اور یہ لفظ اسی طرح لغت میں درج ہے۔ ماہرین لسانیات نے یہ تسلیم کر لیا ہے۔ جو مفہوم PEN سے لیا جاتا ہے۔ وہی اردو میں قلم سے لیا جانا طے ہو گیا۔ اس میں کوئی خرابی نہیں۔ اسی لئے اردو میں ہم PEN نہیں کہتے قلم کہتے ہیں۔

اب لفظ خدا کے مجوسی من یا مجوسی زدہ ہونے کی طرف آتے ہیں جو صاحب مضمون کو گراں گذرا ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض ہوا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ مگر میں کم از کم تین ڈکشنریوں یا لغتوں کے حوالے پیش کرتا ہوں۔ تقریباً آدھا کام "خدا" پر ہے۔

"A dictionary of under classical Huidi and English by John T. Platts, M.A. Mumshiram Manoharlal Publishers Pvt. Ltd. 2nd Indian Edition, New Delhi India (P. 487). (1988 Edition).

اس میں لفظ خدا کے بعد یوں درج ہے:

خدا = Having his own law. The Supreme Being. (P-487)
God, Lord, Master, Ruler, Owner.

اس طرح اللہ رب العزت کی تمام صفات لفظ خدا میں داخل ہیں۔ اور وہ صفات اس لفظ سے واضح ہو جاتی ہیں۔

(ii) کمپیوٹر ویب سائٹ حوالہ:

www.free.muslim.org/blog/index.php8id=2086

Hugh's dictionary of Islam p.141 onlive? Edition

یہ ڈکشنری کہتی ہے کہ:

"Word KHUDA is derived from the persian KHUD self : the self - existing one".

ویسے تو ویب سائٹوں پر تو بہت طویل بحثیں ہیں مگر اس کی یہاں ضرورت نہیں۔ جو صاحب چاہیں حوالوں کو دیکھ سکتے ہیں۔

(iii) ایک اور حوالہ عرض ہے: اردو لغت۔ (تاریخی اصول پر) جلد ہشتم (ح۔خ۔ دتادا) اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ) کراچی۔

اس لغت کے مستند ہونے کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اہل علم بہ خوبی واقف ہیں کہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم۔ جناب نسیم امروہوی مرحوم، شاہدہ تسنیم صدیقی، مرزا نسیم بیگ کے نام ہی اس کی سند ہیں۔ اس لغت کے صفحہ 460 پر لفظ خدا درج ہے اور اس کی وضاحت اور اس لفظ محترم کے استعمالیہ جملے دوسرے صفحہ 461 پر بھی جاری ہیں۔

دیکھئے یہ مستند کتاب جسے میں زبان اردو کی موطا امام مالک کہوں تو بیجا نہ ہوگا کیوں کہ یہ نہایت مستند اور قابل اعتماد ہے۔ صفحہ 460 پر ''خدا'' کے لفظ کے تحت یوں لکھا ہے۔

''خدا۔ مالک۔ آقا۔ بندے کے مقابل۔ خالق کائنات کا ذاتی نام۔ اور خود اس کی ذات جس کے صفاتی نام ننانوے ہیں۔ اور جو اپنی ذات وصفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ یکتا ہے؟ اور اس کا مثل کوئی نہیں اللہ۔ ایشور۔ بھگوان'' یہ بھی درج ہے کہ بابا فرید گنج شکر 1265ء کا شعر ہے۔

خاک لانے سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں

تفصیل سے طوالت ہوگی۔ اس لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں بلا تکلف لفظ محترم خدا کو اللہ کے ہم معنی استعمال کیا گیا اور کوئی بھی مجوسی نہ ہوا'' نہ تو وہ لفظ ہی خدا سے استعمال کرنے والے مجوسی ہوئے بلکہ سب مسلمان بزرگ ہستی تھے۔

(iv) آگے بڑھنے سے پہلے ایک اور مستند حوالہ پیش کرتا ہوں۔ لغت نامہ۔ تالیف علی اکبر ۱۲۵۸۔۱۳۳۲ ہجری شمسی زیر نظر ڈاکٹر محمد معین۔ استاد دانش کدہ ادبیات دانش گاہ تہران۔ شمارۂ مسلسل ۵۵۔ تہران مرداد سال ۱۳۶۱ ہجری شمسی۔ چاپ خانہ وزارت ارشاد اسلامی۔ صفحہ ۳۰۲ (302) پر یوں ہے: ''خدا۔ نام ذات باری تعالیٰ است گجو (الہ) (اللہ) (زبان قاطع۔ از خود زندہ۔ از خود آغاز کردہ، خدا در زبان فارسی بمعنی اللہ گرفتہ شدہ۔ چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالیٰ اطلاق نکند مگر''۔۔۔۔ تفصیل طویل ہے وغیرہ وغیرہ۔

انگریزی۔ اردو۔ فارسی حوالوں کے بعد اب تحقیق مزید میں توجہ دیجئے جو آگے عرض ہے۔

خود زیر نظر شمارہ (اپریل جون ۲۰۰۷ء جلد ۳ شمارہ ۲) میں ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب اپنے مضمون ''مغفرت ذنب کا معنی ومفہوم'' میں صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں ''خدا سے بخشش مانگیے''۔ یہاں ظاہر ہے وہ خدا سے مراد اللہ لیتے ہیں اور نہ وہ لفظ خدا مجوسی زدہ ہے اور نہ ہی مصنف مضمون۔ لہٰذا لفظ خدا سے پرخاش ذہنی خلجان کے سوا کیا ہے؟ یہاں پر برسبیل تذکرہ یہ عرض ہے کہ ڈاکٹر اوج نے احمد رضا بریلوی۔ سید محمد محدث کچھوچھوی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ احمد سعید کاظمی۔ عبدالکریم اثری اور ڈاکٹر طاہر القادری وغیرہ کے ساتھ مرزا بشیر الدین محمود کا نام بھی بطور حوالہ ترجمہ استعمال فرمایا ہے۔ جبکہ یہ تسلیم شدہ اور طے شدہ بات ہے کہ آخر الذکر شخص اپنے عقیدہ، بیانات اور تحریروں کے باعث مرتد خارج از اسلام ہو چکا ہے۔ اور اس کی کوئی بات بھی دلیل و حجت نہیں ہے۔ وہ اجماع امت سے کافر ہے۔ اوج صاحب سے سہو ہو گیا ہوگا۔ حوالہ کے لئے (دیکھئے صفحہ 12) اس کی وضاحت آجائے زیادہ بہتر ہوگا۔

فتح محمد جالندھری کا ترجمہ دیکھئے۔ خدا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۱۔	بسم اللہ		=	خدا کا نام لے کر
۲۔	سورہ آل عمران ۳:۱۹	عند اللہ	=	خدا کے نزدیک
۳۔	سورہ آل عمران ۳:۹۷	وللہ	=	خدا کا
۴۔	سورہ الاعراف ۷:۱۲۸	استعینوا باللہ	=	خدا سے مدد مانگو
۵۔	سورہ الاعراف ۷:	ان الارض للہ	=	زمین تو خدا کی ہے
۶۔	العنکبوت ۲۹:۲۳	بآیات اللہ	=	خدا کی آیتوں سے

ہر جگہ مترجم محترم نے اللہ کے اسم جلالہ کے لئے ترجمہ میں خدا استعمال کیا ہے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ لوگ ''اللہ کے نام سے نابلد ہو جائیں''۔ ہرگز ایسا نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ صاحب ترجمہ نے خدا کا

لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ عام فہم ہے اور وہی مفہوم ادا کرتا ہے جو اللہ کا اسم محترم ادا کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی مجوسی معنی کی بو نہیں ہے جو کسی اور کو محسوس ہوگی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص نماز یا عبادات میں الحمد للہ کے بجائے الحمد لخدا پڑھے گا تو یہ غلط ہے۔ البتہ سمجھانے بتانے وضاحت کرنے کیلئے اگر کوئی کہتا ہے کہ تمام حمد و تعریف خدا کے لئے ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اگر کہا جائے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے تو اس سے مجوسی خدا نہیں بلکہ اللہ کے مفہوم کا خدا مراد ہوگا۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ ایرانی قدیم مجوسیوں میں خدا کا جو لفظ تھا آج مسلمان اس معنی میں لفظ خدا استعمال کر رہا ہے۔

بے شک یہ لفظ فارسی۔ ہیبرو۔ عبرانی۔ زبان کا ہو سکتا ہے مگر اسے اسلام نے مسلمان کر لیا ہے۔ اسلام نے بہت سے کافرانہ۔ مشرکانہ طریقوں کی اصلاح کر کے اسے قائم رکھا ہے۔ مثلاً کعبۃ اللہ کا طواف (اسے خانہ خدا بھی کہہ سکتے ہیں) پہلے برہنہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام نے اسے مہذب کر کے قائم رکھا۔ بیت اللہ میں پہلے بہت سے اصنام تھے۔ اسلام نے اسے خالی کر دیا مگر عمارت قائم رکھی۔ کفار و مشرکین مکہ پتھروں کی پوجا کرتے تھے اسلام نے اسے یکسر ترک کر دیا کہ کسی پتھر کے ٹکڑے کو کوئی اختیار، فائدہ یا نقصان کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مگر حضور ﷺ نے سنگ اسود کا احترام قائم رکھا۔ جس میں کسی قسم کے شرک کا شائبہ بھی نہیں۔ اسلام جب جزیرۃ العرب سے نکل کر ساری دنیا میں پھیلا تو ہر زبان میں اللہ کا مفہوم سمجھنے کے لئے الفاظ متعین کر لئے گئے۔ اور یہی فارسی۔ اردو میں ہوا۔ اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں کیونکہ یہ ترجمہ ہے متن میں اللہ کی جگہ خدا نہیں آ رہا ہے۔ یہ تو سادی سی بات ہے۔ جاپان میں بھی لوگ اللہ کا تلفظ ادا نہیں کر سکتے اس لئے کہ مذہب اور تلفظ SHINTO کے پیرو جب مسلمان ہو کر اللہ کہنے کے بجائے اسی مفہوم کا کوئی لفظ متعین کر لیں تو اس پر انہیں لعن طعن کرنا مناسب نہ ہوگا۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ جب اللہ کے اسم ذات کو سمجھنے کے لئے گفتگو۔ تحریر۔ تفسیر اور ترجمے میں

God, Creator, Sustainer, Brahma, Bhagwan, KHUDA

کوئی استعمال کرتا ہے تو اس پر اعتراض کرنا مناسب نہیں۔ البتہ نماز میں یا نمازوں سے باہر قرآن کریم کے متن کی تلاوت میں نہ صرف اللہ بلکہ رحمن، رحیم، رب، مالک، جبار، قہار، کریم، سمیع، بصیر، قادر کسی کے لئے بھی کوئی دوسرا لفظ خواہ کتنا ہی خوبصورت اور جامع کیوں نہ ہو۔ استعمال کرنا حماقت ہوگی۔ بلکہ کلام اللہ میں تحریف کے مترادف ہوگا۔

ترجمہ اور ترجمانی قرآن کا مقصد ہوتا ہے اسے سمجھنا۔ سمجھانا ہر شخص کو کسی دوسرے مترجم سے اختلاف کا حق ہے اور اسی وجہ سے آج ہم کو ایک ہی مضمون پر ہزاروں مصنفین کی کتب ملتی ہیں۔ قرآن

کریم کے سینکڑوں تراجم ایک ہی زبان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر دیکھنا ہے کہ کون کس سے اختلاف کر رہا ہے۔ اعتراض کرنے والے اور معترض بہ کے علمی درجہ کا تعین ضروری ہوگا۔

وہ علماء کرام اور مفسرین جنہوں نے 40-50 برس کی عمر حصول علوم قرآن میں لگائی ہو۔ تحقیق و تدقیق میں محنت کی ہو ان کا مقام بھی ماننا ہوگا۔ مثلاً علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، امین احسن اصلاحی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، شبیر احمد عثمانی، احمد رضا خان، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، حمید الدین فراہی بلکہ اور بھی بہت سے علماء دوست اپنی زندگی میں بھی لوگوں کے تعصب و الزامات سے محفوظ نہ رہے۔ آج جب وہ ہستیاں اپنا دفاع کرنے کیلئے موجود نہیں۔ اگر ایک شخص اپنے مضمون میں انہیں مجوسی بتائے یا قریب قریب مجوسی زدہ ہونے کا الزام دے تو اس میں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں یہ ضرور دیکھنا ہوگا اعتراض کرنے والے۔ یا الزام دینے والے کا خود اپنا کیا علمی مقام ہے۔ عربی، فقہ، اسلامیات، لسانیات میں اس کا کیا مقام ہے۔ بے شک علم پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں فلاں پر اعتراض نہ کیا جائے مگر کسی مفسر یا مترجم کی کئی سو کئی ہزار صفحات کی تحریر سے ایک لفظ پکڑ کر اس عالم کے سارے کام کو "مجوسیانہ" قرار دینا ظلم نہیں تو کیا ہے۔ دیکھئے صفحہ 81 پر محمد عثمان قریشی نے بڑی دیدہ دلیری سے لکھ دیا۔ "علامہ مودودی کی لاپرواہی" صفحہ 82 پر "امین احسن اصلاحی" جیسا مفکر قرآن بھی مجوسی تحریک کا شکار ہو کر ......" آگے صفحہ 83 پر ہے "علامہ مودودی اور علامہ اصلاحی کو اپنے والدین رشتہ دار اور معاشرے سے اسلام حاصل ہوا اور تمام ذرائع پر مجوسی اثرات کے سائے چھپے ہوئے تھے"۔ لکھنے والے نے یہ بھی نہ سوچا کہ ان بزرگوں کے والدین اور رشتہ داروں پر اور پھر والدین کے والدین اور ان سے اوپر والوں پر مجوسی اثرات کہاں سے آئے۔ اب اگر اس الزام تراشی کے جواب میں کوئی یہ کہے کہ ہمارے بعض مصنفین اور "ڈاکٹری یافتہ" مضمون نگاروں کو شاید معلوم بھی نہ ہوگا کہ کسی کو مجوسی کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ آتش پرست ایرانی دشمن اسلام شخص بنام ابولولو مجوسی (قاتل حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد دوئم) کو ماننے والا یا اس کے عقیدہ کا فرد ہے۔ کوئی شخص زیادتی کرتے ہوئے ایسے الزام تراش شخص کو کہے کہ اس پر مجوسی۔ یہودی۔ نصرانی اثرات ہیں تو یہ بھی زیادتی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اخلاص کے ساتھ یا کم علمی کی بنا پر الزام لگا رہا ہو۔ کسی کی نیت پر شبہ کرنا علم غیب جاننے کے دعویٰ کے برابر ہے۔ اور یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ بات دلائل سے ہونی چاہئے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی نے سورۃ الانعام آیت ۱۰۹ سے آیت نمبر ۱۴۷ تک میں لفظ اسم جلالہ "اللہ" جو دس بار آیا ہے اس میں انہوں نے ایک بار بھی خدا نہیں لکھا۔ اللہ ہی اسم متبرک استعمال فرمایا ہے۔ (حوالہ